بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم
مشاہدات اور تاثرات
(قسط اوّل)

یہ مضمون بہت طویل انتہائی دلچسپ، عبرت خیز اور معلومات سے بھرپور ہے۔ یہ کئی قسطوں میں شائع ہو سکے گا۔ انشاء اللہ۔

اس مضمون کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کا پس منظر اور اس کے اغراض و مقاصد۔
۲۔ دارالحدیث کی خصوصیات اور اس کے نصاب تعلیم کا تفصیلی تعارف۔
۳۔ مدرسین حضرات کا تعارف اور ان کی سیرت و کردار کا مختصر خاکہ۔
۴۔ اہل علم زائرین کرام کا تعارف اور ان کے افکار و آراء اور تقاریر کے اہم نکات کا خلاصہ۔
۵۔ دارالحدیث رحمانیہ سے فارغ ہونیوالے اہل علم کا تعارف اور ان کی کاوشوں کا مختصر خاکہ۔
۶۔ طلباء کی غیر نصابی سرگرمیاں اور مہتمم صاحب کی دلچسپی۔
۷۔ مہتمم دارالحدیث رحمانیہ کے اخلاق و کردار کا ایک خاکہ اور ان کی انتظامی صلاحیت۔
۸۔ دارالحدیث رحمانیہ کا انتظام، نظام امتحان اور ممتحن حضرات کا تعارف۔
۹۔ دارالحدیث رحمانیہ میں طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری سہولیات کی تفصیل۔
۱۰۔ ہم سبق ساتھیوں کا مختصر تعارف۔
۱۱۔ متفرق امور۔

عبدالغفار حسن

(۱) دار الحدیث رحمانیہ کی تاسیس کا پس منظر

جب ہندوستان میں بھی آفتاب اسلام ضیا پاشیاں کرتا ہوا جلوہ افگن ہوا تو یہاں بھی علمی چرچے ہونے شروع ہوئے اور ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے لوگوں کو شاہراہ اسلام پر استوار کرنے کیلئے جدوجہد شروع کر دی۔ اس جماعت کی برکت سے قال اللہ اور قال الرسول کی صدا کشور ہندوستان میں گونجنے لگی۔ مگر اس بابرکت جماعت کے اولوالعزم حضرات آہستہ آہستہ اٹھنے شروع ہوئے۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق اور مولانا سید نذیر حسین صاحب جیسے برگزیدہ باکمال حضرات علمی چشمے بہاتے ہوئے سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیفتگان حدیث گوناگوں مصائب اور بوقلموں نوائب میں گرفتار ہو گئے۔ نہ ان کیلئے کوئی جامعہ درسگاہ تھی اور نہ صحیح معنی میں تربیت کا کوئی اہتمام۔ الحاد کا سیلاب عظیم ہر طرف طلاطم خیزی سے بڑھ رہا تھا۔ دہریت کی مسموم ہوائیں چہار جانب چل رہی تھیں۔ طالبان دین کی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی۔ ضرورت تھی کہ دین اسلام کی صحیح تعلیم اور اعداء اسلام کے حملوں کو روکنے کیلئے دوسرے فنون معقول و ادب وغیرہ سے مسلمانوں کو بخوبی آگاہ کرایا جائے۔ دہلی ہمیشہ سے علم کا گہوارہ بنی رہی۔ لکن اسوقت دہلی کی حالت بھی بہت کمزور ہو رہی تھی۔ طلبہ کی رہائش و طعام کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ عموماً مسجدوں میں پڑے رہتے تھے۔ معمولی وظیفہ مل جاتا تھا۔ جس سے اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر سخت تکالیف برداشت کر کے اپنا پیٹ پال لیا کرتے تھے۔ یا محلوں میں روٹی مقرر ہو جاتی تھی۔ جسے خود جا کر لاتے۔ اس طرح ان کی خودداری اور حریت جذبات کو سخت ٹھیس لگتی۔ ہر

وقت کسمپرسی بے بسی و بے کسی کی حالت میں رہتے۔ ساتھ ہی منقول و معقول کی پڑھائی کا کوئی اعلیٰ انتظام نہ تھا کہ تشنگان علم کی سیرابی ہوسکے۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر ان نقائص کو دور کرنے کیلئے اور تعلیم اسلام کو اوج پر لانے کیلئے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ علمائے اہلحدیث دن بدن اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔ تعلیم و تعلم کے باقاعدہ سلسلے ٹوٹ رہے ہیں۔ کوئی جامعہ درسگاہ موجود نہیں اس لیے کوئی ایسی درسگاہ قائم کی جائے جس کی وجہ سے گزرنے والوں کی نیابت ہوسکے۔ اور جماعت اہل حدیث قبل از وقت لقمہ اجل نہ بن جائے۔ چنانچہ یہ تجویز مولانا نے جناب شیخ عطاء الرحمان مرحوم کے سامنے پیش کی کہ جس کو انہوں نے بسرو چشم قبول کر لیا۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کوشاں ہو گئے۔ ایک وہ شخص جس کے دل میں اسلامی تڑپ اور ایمانی جذبہ موجزن ہو وہ ان حالات و کوائف سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف اس ذہنی خاکہ کو منصۂ شہود پر لانے کیلئے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ کسی نہ کسی طرح زمین حاصل کی اور اس وقت تعمیری سلسلہ شروع ہو گیا۔ چونکہ حاجی صاحب موصوف الصدر اور ان کے محترم برادر شیخ عطاء الرحمن صاحب تمام کاروبار میں شریک تھے۔ اس لیے ان دونوں کے مشترکہ سرمایہ سے دارالحدیث کی خوشنما عمارت ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں تقریباً ایک لاکھ روپے سے بن کر تیار ہو گئی۔ اس تعمیری سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی دونوں حضرات کو اپنے بہترین مشوروں اور آراء سے مستفیض فرماتے رہے۔ مگر افسوس کہ یہ علمی پودا اپنی بہار شباب سے لطف اندوز ہونے بھی نہ پایا تھا بلکہ ایک سال

بھی نہ گزرا تھا کہ اس کے باغبان جناب حاجی عبدالرحمان صاحب مدرسہ کا تمام بوجھ اپنے محترم بھائی شیخ عطاء الرحمان صاحب پر ڈال کر راہی ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب حاجی مرحوم کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے حاجی عبدالستار صاحب نے اپنی توجہ مدرسہ کی جانب مبذول کی اور اس کام میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ لیکن افسوس کہ آپ بھی عالم شباب میں وفات پا گئے۔ والدہ صاحبہ حاجی مرحوم کو اپنے دور حیات میں مدرسہ سے خاص دلچسپی تھی۔ طلبہ کے آرام و آسائش کیلئے آپ ہی نے برقی روشنی اور بجلی کے پنکھوں کا انتظام کیا۔ ہماری تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تینوں بزرگوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں ان کی بہترین مہمان نوازی کرے۔ آمین۔

مدرسہ کی تاسیس کا مقصد

معزز قارئین! اب آپ کو ایک گونہ مدرسہ کے قیام و افتتاح کے اغراض سے اجمالی واقفیت ہو گئی ہو گی۔ لیکن ایک مرتبہ پھر آپ کو واضح الفاظ میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کیونکہ کسی چیز کا حسن و قبح نفع و نقصان اس کے اغراض سے ہی ظاہر ہوا کرتا ہے۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس مدرسہ کا اولین مقصد یہ ہے کہ طالبان علم دین کو قلب سکون و راحت و طالبعلمانہ زندگی کی ضروریات کا بہترین طریقہ پر انتظام کرتے ہوئے قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا کی صحیح تعلیم اور محققانہ درس دیا جائے اور ان کو اعتقاداً اور عملاً تعلیمات نبویہ کا حقیقی پیرو بنا کر سنت اور اہل سنت کا سچا خادم بنایا جائے۔ اور علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ فنون عقلیہ پر بھی حاوی و قادر ہوں۔ جیسے ہمارے اسلاف تھے۔ خود عامل حدیث بن کر دنیا کو عمل بالحدیث کی دعوت دیں۔

(۲) خصوصیات نصاب مدرسہ ہذا

۱۔ نصاب تعلیم میں حتی الامکان افراط و تفریط سے احتراز اور تجنب اختیار کیا گیا ہے۔ نہ تو کتب ادب کی فراوانی ہے اور نہ ہی کتب منطق و فلسفہ کی بھرمار بلکہ ہر فن کیلئے حسب ضرورت مفید کتب منتخب کی گئی ہیں۔ مدرسہ کا نصاب سترہ فنون نحو۔ صرف۔ منطق۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ۔ فرائض۔ اصول فقہ۔ مناظرہ۔ اصول حدیث۔ ہندسہ۔ عقائد۔ تفسیر۔ فلسفہ عروض۔ اہمیت بلاغت پر مشتمل ہے۔

۲۔ ترجمہ قرآن کے ساتھ خاص اعتناء کیا گیا ہے چنانچہ ابتدائی جماعتوں میں قرآن مجید کے مختلف پارے ادب اور تربیتی حیثیت سے رکھے گئے ہیں تاکہ طلبہ میں شروع ہی سے قرآن مجید سے ایک گہری دلچسپی ہو جائے اور اس پر عمل کرنے کا ذوق پیدا ہو۔

۳۔ ابتدائی جماعتوں میں طلبہ کو اردو مضمون نگاری کی مشق کرانے کیلئے انشاء کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تیسری جماعت سے ترجمتین اور چوتھی جماعت سے آٹھویں تک جواب مضمون بزبان عربی ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ طلبہ اردو جریدہ نگاری اور عربی مضمون نویسی اور زباندانی میں کافی مہارت پیدا کر سکیں۔ اس سے اس خامی کو پورا کرنا مقصود ہے جو آجکل ہمارے اکثر علماء میں موجود ہے۔

۴۔ نام چونکہ دارالحدیث رحمانیہ ہے اس لیے حدیث کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ دوسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک ہر ایک درجہ میں ایک یا دو کتب احادیث داخل کی گئی ہیں۔ اور سند دینے کلئے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ طالبعلم علم حدیث میں معتدبہ کامیابی حاصل کرے۔

۵- طلبہ کی آسانی و سہولت کیلئے ہر جماعت میں صرف چھ یا سات کتابیں رکھی گئی ہیں جن کا امتحان دینا ضروری ہے۔ ہاں اگر طالبعلم اپنے اندر زیادہ استعداد رکھتا ہے تو کتب اختیاری کا امتحان بھی دے سکتا ہے۔ جیسا کہ قواعد مدرسہ میں اس کی تشریح موجود ہے۔ جو طلبہ صرف حدیث کے شائقین ہیں ان کیلئے جماعت دورہ بھی رکھی گئی ہے جس کی تکمیل ایک سال میں کرا دی جاتی ہے۔ (ماخوذ از تاریخ رحمانیہ صفحہ ۸-۹)

یعنی جو طلبہ دوسرے مدارس سے فارغ ہو کر آتے ہیں ان کیلئے دورہ حدیث کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میرے آخری تعلیمی سال میں حسب ذیل نامور طلبہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں میرے ہم سبق تھے۔

۱۔ مولانا عبدالحکیم قصوری، برادر نسبتی مولانا حکیم عبداللہ (جہانیاں والے) مولانا قصوری صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے فارغ ہو کر آئے تھے عربی ادب کا بہت اچھا ذوق تھا۔

۲۔ مولانا ابوالنعمان انیس الرحمن صاحب بنگال فاضل درس نظامی دارالعلوم دیوبند۔

۳۔ مولانا عبدالواحد صاحب فاضل علوم اسلامیہ جامعہ دارالسلام عمر آباد (مدراس)

(۴) دارالحدیث رحمانیہ کے مدرسین

دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ کرام کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف)(وہ مدرسین جو میرے داخل ہونے سے پہلے تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

(ب) وہ اہل علم اساتذہ جن سے میں نے براہ راست استفادہ کیا۔

پہلے گروپ میں حسب ذیل اسمائے گرامی نظر آتے ہیں:

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا غلام یحییٰ صاحب کانپوری استاد معقولات، حافظ محمد صاحب گوندلوی استاد معقولات و دیگر علوم، مولانا عبدالوہاب آروی استاد معقولات و اصول فقہ، مولانا عبدالنور صاحب بہاری معقولات اور کتب فقہ، مولانا ابو طاہر صاحب بہاری استاد متفرق علوم، مولانا فضل الرحمان صاحب غازیپوری ادب و دیگر علوم، مولانا محمد احمد صاحب موہناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ یو۔پی حدیث و دیگر علوم، مولانا محمد اسحاق صاحب استاد معقولات و دیگر علوم، مولانا محمد اصغر صاحب۔

دوسرے گروپ کے اساتذہ کرام:

شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاب گڑھ ثم الدہلوی

مولانا موصوف کی ساری عمر درس حدیث میں گزری۔ پڑھاتے پڑھاتے فتح الباری کے مطالب انکو ازبر ہوگئے تھے۔ جب کسی مسئلے پر درس میں وہ تقریر فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ایک علم کا سمندر بہہ رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ طلبہ کیلئے صحیح معنی میں مربی و مشفق استاد تھے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی غصے سے ان کے چہرے پر بل آیا ہو۔ اہتمام سنت میں بیحد آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حقیقتاً وہ صحیح معنی میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تدریس کے ماہر تھے۔ سراجی پڑھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو عالم اچھا مدرس ہو وہ اچھا خطیب بھی ہو۔ شیخ محترم کا وعظ انتہائی سادہ اور قرآن و حدیث پر مشتمل ہوتا تھا۔

عام واعظوں کی طرح لچھے دار نہیں ہوتا تھا اور نہ داستان گوئی و شعر و شاعری سے بھر پور ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے مولانا محترم سے درج ذل کتابں سبقاً سبقاً پڑھی ہیں۔

صحیح بخاری مکمل، صحیح مسلم مکمل، سنن ابی داوٗد مکمل، جامعہ ترمذی نصف اول، شرح نخبتہ الفکر، سراجی مکمل۔

علم الفرائض کے پڑھانے میں استاد محترم ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل منٹوں میں حل کر دیا کرتے تھے

مولانا سکندر علی ہزاروی

ان سے حسب ذیل کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔

صدرا، رسالہ میر زاہد، ہدایتہ الکتاب البیوع، تفسیر بیضاوی پارہ اول، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت، حمداللہ، تصدیقات نصف اول۔

مولانا موصوف مشکل سے مشکل مباحث کے مسائل کے سمجھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے زیر بحث درس کا خلاصہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد پھر عبارت پڑھواتے ہوئے تشریح کرتے جاتے تھے۔ تفہیم کا یہ ملکہ خداداد تھا۔ طلباء پر شفقت اور مہربانی کے باوجود حنفیت میں بڑے پختہ تھے۔

مولانا عبدالسلام افغانی مرحوم

ان سے حسب ذیل کلیطور پر یا جزو طور پر کتب پڑھی گئیں۔

حمداللہ (بقیہ حصہ)، شرح، ارشادات بو علی سینا نصف اول، قاضی مبارک تصورات نصف اول۔

استاد موصوف معقولات کے ماہر شمار ہوتے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ میں آنے سے پہلے بدایوں میں استاد معقولات تھے۔ ان کی اس شہرت کی بناء پر دارالحدیث رحمانہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن صاحب نے استاد محترم مولانا نذیر احمد مرحوم کو ایک سال کیلئے ان کے پاس بھیجا تھا تاکہ معقولات کی تدریس میں مزید مہارت و گہرائی پیدا ہو۔ اور ویسے بھی مولانا نذیر احمد مرحوم اپنے مزاج اور شوق کے لحاظ سے معقولات سے شغف رکھتے تھے۔ اور بڑے اچھے انداز سے مشکل مقامات کو حل کر دیا کرتے تھے۔ مولانا صاحب سلفی تو نہ تھے لیکن غیر مقلد تھے۔ اور کچھ نہ کچھ اعتزال کا بھی چسکا تھا۔ لیکن بڑے خوش اخلاق اور متواضع انسان تھے اور معقولات میں قابلیت کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے حمداللہ کی شرح عربی میں لکھی ہے۔ جس کا نام "الاسوۃ الحسنیٰ" ہے۔ لیکن یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔ افسوس ہے کہ مولانا موصوف رحمانہ میں ایک سال بھی نہ گزار سکے کہ ان کو ٹی۔بی ہو گئی۔ آخر کار اس مرض میں وہ چل بسے۔ مولانا شریف اللہ صاحب سواتی ان کے ہم زلف تھے۔

مولانا شریف صاحب سواتی

مولانا عبدالسلام کے انتقال کے بعد مولانا سواتی معقولات پڑھانے کیلئے تشریف لایا کرتے تھے۔ جو کتابیں ادھوری رہ گئیں ان کو مولانا سواتی صاحب نے مکمل کیا۔ خاص طور پر اشارات اور قاضی مبارک مولانا موصوف صبح سے ظہر تک

مدرسہ فتح پوری میں معقولات پڑھا کرتے تھے اور ظہر کے بعد تدریس کیلئے مدرسہ رحمانیہ تشریف لایا کرتے تھے۔ عرصہ دراز سے پڑھاتے پڑھاتے منطق و فلسفے کے مباحث ازبر ہو گئے تھے۔ وہ اس طرح سیل رواں پڑھاتے تھے گویا کہ کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ یعنی تقریر و خطابت کا انداز نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ گفتگو و بات چیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ حقیقت میں وہ متشدد نہ تھے۔

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

یہ بات واضح رہے کہ مولانا عبدالسلام کی بیماری کے دوران کچھ عرصہ مولانا موصوف نے بھی معقولات کے اسباق پڑھائے تھے۔ غالباً وہ دو تین ماہ سے زیادہ قیام نہیں کر سکے۔ ان کے زمانے کے دو واقعات سبق آموز ہیں۔

۱۔ ایک مرتبہ انہوں نے پڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ "اشیاء" غیر منصرف کیوں ہے؟ ہمارے ایک ساتھی نعمان بنگالی نے جواب دیا کہ اس میں قلب ہے شئیاء سے اشیاء تصور کیا گیا ہے۔ یعنی معدول ہے۔ اس جواب سے استاد محترم بہت خوش ہوئے۔

۲۔ آخری تعلیمی سال میں فجر کی نماز کی امامت میرے ذمہ تھی اور مولانا خیر محمد صاحب میری اقتداء میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں کوئی لفظ بھول گیا تو مولانا مرحوم نے مجھے لقمہ دیا اور میں نے فوراً قبول کر لیا۔ مولانا محترم کم آیا کرتے تھے اس لیے درس کے علاوہ ان سے ملاقات کا موقع مشکل سے ہی ملتا تھا۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نگر نوسوی بہاری

مولانا موصوف سے میں نے درج ذیل کتب پڑھیں۔

مشکوٰۃ المصابیح دو سال میں مکمل، تاریخ الخلفاء، تفسیر نصف اول، مقامات حریری، دیوان متبنی، سبع ملقہ ترجمتین اور انشاء عربی تلخیص المفتاح مکمل مختصر معانی۔

مولانا محترم کو تفہیم کا اچھا ملکہ تھا۔ اس انداز سے بلند آواز میں وضاحت فرماتے کہ بات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی۔ بہاری اہل علم کی گفتگو کا ایک خاص انداز ہے۔ بولتے وقت جھٹکا سا محسوس ہوتا ہے۔ یعنی کبھی آواز میں نرمی اور کبھی شدت۔ لیکن دونوں حالتوں میں لطافت پائی جاتی ہے۔ مولانا کا ادبی ذوق بہت اچھا تھا۔ اس لیے عام طور پر عربی ادب کی کتابیں وہ خود پڑھایا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ اردو میں پڑھاتے تھے لیکن تشریح کرتے ہوئے ان کا ادبی ذوق نمایاں ہو جاتا تھا۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی۔ ان کے ساتھ ایک لڑکا جس کی عمر ۱۰ سال اور نام حمید تھا۔ رہتا تھا۔ باقی اہل و عیال وطن میں رہتے تھے۔ معلوم نہیں اب حمید کا کیا حال ہے۔

مولانا عبد الرزاق صاحب پشاوری

یہ معقولات کے ماہر تھے۔ ان سے راقم الحروف نے مسلم العلوم کا کچھ حصہ اور اسی طرح تفسیر بیضاوی جزوی طور پر پڑھی تھی۔ استاذ محترم کا چہرہ پوری طرح دیکھنا نصیب نہیں ہوا وہ سخت گرمی کے زمانہ میں بھی چہرے کا بہت کم حصہ کھولتے تھے۔ معلوم نہیں اس حجاب کی کیا وجہ تھے۔ تمام مشہور متون ان کو زبانی یاد تھے۔ مثلاً تہذیب، مسلم العلوم تلخیص المفتاح، شافیہ اور کافیہ وغیرہ۔ جس طرح لوگ قرآن مجید حفظ کرتے ہیں اس طرح انہوں نے بہت سے متون یاد کیے ہوئے تھے۔ ان کے لباس میں سادگی اور گفتگو میں روانی تھی۔ ان سے بہت زیادہ استفادے کا موقع نہیں مل سکا۔

مولانا محمد سواتی

مولانا موصوف رحمانیہ میں آنے سے پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں دینی علوم کے استاد تھے۔ حافظہ بڑا قوی تھا۔ عربی ادب کا ذوق بے پایاں تھا۔ ہندوستان میں عربی ادب کے لحاظ سے دو نمایاں شخصیتیں گزری ہیں۔ (۱) مولانا محمد سواتی مرحوم (۲) مولانا عبدالعزیز میمن۔ جو میرے جد محترم کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد سواتی مرحوم عربی ادب، عربی ذوق کی مہارت کے ساتھ ساتھ عربوں کا سا مزاج بھی رکھتے تھے۔ نماز باجماعت اور دوسری سنن کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ بڑے فراخدل اور فیاض تھے۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ عبداللہ، محمد طاہر، محمد طیب۔ بڑے عبداللہ تھے۔ جن کی عمر اس وقت دس گیارہ سال ہو گی۔ مولانا کی عادت تھی کہ جب بھی فجر کی نماز میں آتے تینوں بچوں کو ساتھ لاتے تھے۔ اور خود بڑے اہتمام کے ساتھ صبح کی نماز کی امامت فرماتے۔ قرآن مجید پڑھنے کا انداز بھی نہایت دلکش اور پرسوز تھا۔ مولانا کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت سے غافل نہیں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں پوری کوشش کی کہ ان کی اولاد غلط راستے پر نہ جائے۔ ایک خاص بات کہ وہ پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتے تھے۔ اور اپنے بچوں کو بھی ساتھ لیکر آتے تھے۔ آج کل عام طور پر یہ حال ہے کہ اکثر اہل علم خود تو نماز باجماعت ادا کرتے ہیں لیکن اولاد کی دینی تربیت سے غافل ہیں۔ مولانا کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ انکار منکر کے بارے میں بڑے بیباک تھے۔ اور اغنیاء و امراء کے مقابلے میں اہل علم کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب اپنی عادت کے مطابق مدرسہ رحمانیہ کی ڈیوڑھی

میں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ اور اس کے ساتھ دوسری چارپائی پر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور مولانا محمد سواتی تشریف فرما تھے۔ مولانا سواتی مرحوم دونوں کے درمیان میں تھے۔ اس مجلس میں شیخ عطاء الرحمن مدرسے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اور یہ دونوں حضرات ان کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ شیخ عطاء الرحمن کی گفتگو جاری تھی کہ اچانک مولانا مبارکپوری نے مولانا سواتی کو مخاطب کرتے ہوئے کوئی علمی نقطہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ تو میں نے دیکھا کہ مولانا سواتی نے فوراً اپنا چہرہ شیخ عطاء الرحمن کی طرف سے ہٹا کر مولانا مبارکپور کی طرف موڑ لیا۔ اور انہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی کہ ان کا یہ طرز عمل شیخ عطاء الرحمن کو ناگوار ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی بیباکی مشہور تھی۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے مالدار کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مولانا مرحوم کے بارے میں شیخ عطاء الرحمن کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ وہ علم حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر ہیں۔ اس لیے ان کا تقرر بسطور شیخ الحدیث کیا گیا تھا۔ اور ان کا مشاہرہ بھی ڈیڑھ (۱۵۰) سو تھا۔ جو اس زمانے میں بڑی تنخواہ تھی۔ اس کے مقابلے میں مولانا احمد اللہ صاحب کا مشاہرہ تقریباً سو (۱۰۰) روپے تھا۔ اور میرے داخلے سے پہلے مولانا غلام یحییٰ کانپوری کا مشاہرہ ۱۲۵ تھا۔ باقی دوسرے مدرسین کی تنخواہیں ۶۰، ۷۰ روپے سے زیادہ نہ تھیں۔ اس فرق کی وجہ یہ تھی کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب کو اس زمانے کے اہل علم نے بتا دیا تھا کہ علم حدیث اور معقولیت یہ دو ایسے علوم ہیں جن کیلئے انتہائی فاضل قابل اور متخصص اساتذہ ہونے چاہئیں۔ لیکن کسی نے ان کو یہ نہیں بتلایا کہ علم حدیث کے ساتھ ساتھ تفسیر اور

عربی ادب میں بھی اونچے درجے کے قابل استاد رکھنے چاہئیں۔ مولانا محمد سواتی مرحوم عربی ادب اور اسماء الرجال کے حافظ تھے۔ اس میں کوئی ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن حدیث پڑھانا بڑی بات ہے اور خاص طور پر صحیح بخاری اور مسلم شریف کا معاملہ۔ ان کتابوں کو وہی پڑھا سکتا ہے جس نے بار بار گہرا مطالعہ کیا ہو۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر کسی نوجوان مدرس کو پہلی بار صحیح بخاری پڑھانے کیلئے دی جائے تو اس کو ایک دو سبق حدیث کے دیئے جائیں۔ زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ تاکہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو اچھی طرح پڑھا سکے اور طلبہ کو مطمئن کر سکے۔ لیکن جو استاد پندرہ بیس سال سے متواتر پڑھا رہا ہو خاص طور پر صحیح بخاری تو اس کو مزید اسباق بھی پڑھانے کیلئے دیئے جائیں۔ یعنی چھ سات اسباق۔

یہاں یہ معاملہ ہوا کہ مولانا محمد سواتی جامعہ ملیہ سے آئے تھے۔ وہاں کا نصاب بہت ہلکا تھا اور حدیث کی تعلیم کا معیار ابتدائی انداز کا تھا۔ اب رحمانیہ یں آکر ان کو چار کتابیں دے دی گئیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور اس کے ساتھ ساتھ شرح نخبۃ الفکر اور ادب کی ایک کتاب "مقامات حریری" جہاں تک مقامات حریری کا تعلق تھا تو اس کے طلبہ بڑے خوش تھے کہ ادب پڑھنے کا اب مزہ آرہا ہے۔ اور چونکہ مولانا سواتی کا تقرر وسط سال میں ہوا تھا اسی لیے راقم الحروف کی جماعت نے ان کے پاس ترمذی کا اخیر پڑھا۔ جس میں فقہی مسائل کم ہیں۔ اس لیے ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن جو طلباء صحیحین کے پڑھنے والے تھے۔ وہ مطمئن نہ تھے۔ اور اس طرح ایک عجیب سے کشمکش پیدا ہو گئی۔ ظاہر بات ہے کہ جو طلبہ صحیحین مولانا احمداللہ سے پڑھتے

آرہے تھے۔ جو کہ ۳۰ سال سے حدیث پڑھا رہے تھے۔ ان کے مقابلے میں مولانا سواتی کی تدریس تسلی بخش نہیں ہو سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ کسی نے مہتمم صاحب کو یہ نہیں بتلایا کہ "لکل فن رجال" کے قاعدے کے مطابق مولانا سواتی کو عرب ادب اور زائد سے زائد کسی تفسیر کی تدریس کیلئے خاص کر لیا جاتا اور اگر کوئی حدیث کی کتاب دی جاتی تو صحیحین کے علاوہ ایک کتاب ان کے سپرد ہوتی لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا۔

مولانا سواتی مرحوم نے اپنے تقرر کے بعد کتب خانے سے صحیحین کی تمام شرح مستعار حاصل کر لیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ بڑھی عمر میں ان شروح کا مطالعہ کرنا اور اس کیلئے کافی وقت نکالنا مشکل تھا۔ مولانا سواتی مرحوم عربوں کی طرح فیاضی میں بے مثال تھے۔ اس لیے جو استاد یا شاگرد ان کے پاس جاتا تو وہ اس کی خوب آؤ بھگت کرتے۔ جب ہماری جماعت نے جامع ترمذی ختم کی۔ اور سب سے پہلے یہ موقع ہم ہی کو ملا کہ مولانا موصوف نے ہم سب طلبہ کی ترمذی کے ختم ہونے کی خوشی میں شاندار دعوت کی اور سب کچھ اپنے پاس سے خرچ کیا۔ اس سے پہلے جب کوئی حدیث یا تفسیر کی کتاب ختم ہوتی تھی تو طلبہ چندہ جمع کر کے ضیافت کا اہتمام کرتے تھے۔ اساتذہ کی مالی شرکت اس میں نہیں ہوتی تھی۔ الا یہ کہ کوئی استاد خود ہی اپنا حصہ ڈال دے۔ لیکن مولانا سواتی مرحوم نے ایک نئی سنت کی بنیاد ڈالدی۔ ساری ضیافت کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا اور طلبہ پر کچھ بھی بوجھ نہ ڈالا۔ اس کے نتیجے میں دوسرے مدرسین کے ساتھ تنافس کی شکل پیدا ہو گئی۔ اسی کشمکش میں یہ سال ختم ہوا اور مولانا محمد سواتی مرحوم کو جواب دے دیا۔ جس سے

ان طلبہ کو بڑا افسوس اور صدمہ ہوا جو حدیث کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے بھی شائق تھے۔ ہمارے درس نظامی میں یہ سب سے بڑی کمی ہے۔ کہ معقولات پر تو بہت زور دیا جاتا ہے لیکن تفسیر ادب تاریخ ان علوم کے بارے میں کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا۔ بہرحال سال کے آخری دور میں طلبہ کی شکایت پر محترم صاحب نے صحیحین کے اسباق دوبارہ مولانا احمداللہ صاحب کے حوالے کر دیئے اور اس طرح یہ قصہ نامرضیہ ظاہری طور پر ختم ہوا۔ مولانا مرحوم کی عربی زباندانی کا ایک واقعہ یہ سننے میں آیا ہے کہ جب وہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو انہوں نے حرم میں عربی زبان میں فصیح و بلیغ انداز میں توحید پر تقریریں کیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کس ملک کا انسان ہے کہ اتنی اچھی عربی بول رہا ہے۔ ایک مرتبہ تقریر کے بعد ایک عرب عالم نے ان سے دریافت کیا۔

انت من الیمن اومن الحجاز اومن ای بلدانت

یعنی آپ کا مسکن کہاں ہے۔ یمنی ہیں یا حجازی ہیں۔ یا کوئی دوسرا علاقہ ہے۔ استاد محترم کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن سے دو کے مطالعہ کا مجھے شرف حاصل ہوا

۱۔ کتاب التوحید مؤلف شیخ محمد بن عبدالوہاب کا سلیس اردو میں ترجمہ۔ غالباً سب سے پہلے ترجمہ مولانا مرحوم نے کیا ہے۔

۲۔ ازھارالعرب۔ یہ مستند کتاب عرب شعراء کے منتخب اشعار کا بہت عمدہ مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عشق و محبت والے عریاں فحش اشعار کو شامل نہیں کیا گیا۔ خصوصاً امراءالقیس کے اشعار پڑھانے کی بجائے ازھارالعرب کو ترجیح دینی چاہیئے۔